کُہرے میں دھنک

حُسین سحر

آسماں کتنا نیلا ہے

آسماں کتنا نیلا ہے!
نیلاہٹوں کا یہ پھیلا سمندر
افق تا افق موجزن ہے
چمکتے ہوئے چاند کا مرمریں جسم تابندہ تر ہے
ستاروں میں رخشندگی جلوہ گر ہے
فضا کی جبیں پر کہیں تیرگی کا نشاں تک نہیں ہے
خلاؤں کے رستے جو صدیوں سے بے نور تھے
آج نیلاہٹوں سے منور ہیں
یہ روشنی اُس کے نقشِ کفِ پا کا اعجاز ہے
جو کہ خود روشنی ہی کا اک راز ہے
ورنہ پہلے کبھی آسماں اتنا نیلا نہیں تھا

کہرے میں دھنک

سرمئی کہرے کی چادر آسمانوں پر تنی ہے
صبح کے چہرے کے خد و خال گم ہیں اس نقابِ تیرگی میں
نرم آغوشِ افق میں آفتابِ نو کی آنکھیں بند ہیں
اس تیرگی کے آئنے میں عکس لرزاں ہیں ٹھٹھرتے جگنوؤں کے
یک بیک کرنیں چمک اٹھی ہیں میرے پردۂ افکار میں
ذہن کے کہرے میں یادِ جانفزا کس کی یہ چمکی ہے
کہ ساتوں رنگ خوابوں کی دھنک کے جاگ اٹھے ہیں

ہوا کی شاعری

ہوا کی شاعری بڑی عجیب ہے
ردیف و قافیہ سے بے خبر
یہ شاعری

زمیں کے فرش کی عظیم وسعتوں سے
آسماں کی پُرجلال رفعتوں میں ہے رواں دواں
کہیں نسیم گلستاں کے روپ میں گہر فشاں
کہیں خزاں کی تیز رو ہوا کی شکل میں الم کناں
کہیں ٹھٹھرتی کانپتی ہوائے سرد کے لباس میں
کہیں سلگتی چیختی کراہتی ہوئی فضائے گرم میں شرر بجاں
کہیں مثالِ صبح، زرد رُو
کہیں شفق کے ساتھ ساتھ ارغواں
کہیں غزل سرا مہکتی ٹہنیوں کے ساتھ ساتھ
کہیں کسی کی زلفِ عنبریں کے ساتھ نغمہ ریز رنگ و بو کے ساز پر
کہیں خنک ہوا کی شکل میں فضائے کوہسار میں ہے ابرِ نوبہار کی قدم قدم
پہ ہمسفر
کہیں بہت ہی خشک، خوفناک جنگلوں میں نوحہ خواں
کہیں خموش، بے زباں،
حقیقتاً یہ خامشی عظیم ہے
ردیف و قافیہ سے بے خبر
ہوا کی شاعری بڑی عظیم ہے

آئنہ

تمام چہرے ہیں ایک جیسے
تمام ناموں کا ایک ہی نام مشترک ہے
تمام شہروں میں ایک سے لوگ رہ رہے ہیں
تمام گلیوں میں ایک سا شور اٹھ رہا ہے
تمام نوحے تمام نغمے تمام نعرے ہیں ایک جیسے
تمام لوگوں کا ایک ہی نقطۂ نظر ہے
تمام باتوں کا ایک ہی حاصلِ سخن ہے
تمام راہوں پہ ایک ہی قافلہ رواں ہے
تمام رنگوں کا ایک ہی عکس
غم کے یک رنگ آئنے میں ابھر رہا ہے
کبھی اگر آئنہ یہ ٹوٹے
تو ریزہ ریزہ ہزار عکسوں میں
دل کا یہ آبلہ بھی پھوٹے

مقتل

قتلِ مہر و ماہ اک رسمِ قدیم
جاری و ساری ازل سے ہے یہ دستورِ عمل
آسماں ہے ظلمتوں کا ریگزار
ایک صحرائے بسیط
ریت کے ذروں کا بے پایاں محیط
تیرگی کا ہم زبان و ہم عناں
روشنی سے بے خبر
موت کی آماجگاہِ مستقل
زندگی سے بے خبر
ظلم کا آتش فشاں
آگ کے شعلوں کا شہر
منظرِ رنگِ شفق ہے خون کی نہر رواں
مقتلِ خورشید و مہتاب و نجوم
غرب سے ہے شرق تک
بس ایک ہی قاتل کا دور
شب زدہ، خونیں قبا، خنجر بکف
منجمد حدِ نظر تک ہیں لہو کے دائرے
کس قدر ویران ہے دشتِ خلا
اک کرن بھی نور و خوشبو کی کہیں پیدا نہیں
روشنی ہے کس قدر بے دست و پا!

آخری رنگ

نیلگوں رنگ پانی کا
اور خشک مٹی کا خاکستری رنگ
شب کے اندھیرے میں سویا ہوا تھا
گجر دم ہوا جب چلی
تو یہ رنگوں کی خوابیدہ دنیا
نئی شان سے جاگتی مسکراتی ہوئی لہلہائی
نئی ٹہنیوں پر نیا سبز رنگ آ گیا

پھر ہوا جب چلی
تو نئے پھول خوشبو کا جادو جگانے لگے
سبز سے سرخ تک کا فاصلہ طے ہوا
شام تک جلتے سورج کی کرنوں
ستمگر ہواؤں کی یورش سے
پتے بکھرنے لگے
ہر طرف خاک ہی خاک اڑنے لگی
سرخیٔ گل نے زردی کی منزل کی جانب سفر طے کیا
دیکھتے دیکھتے چار سو زرد منظر ہویدا ہوا
تو یہ دل نے کہا
''اب کلر بکس'' میں بس یہی رنگ ہے
غالباً زرد رنگ آخری رنگ ہے

دائرہ

ابد کا آخری نقطہ بھی شاید ہے ازل کا اولیں لمحہ
کہ اس سے متصل ہے
زندگی کا بحرِ بے پایاں
روانی جس کی موجوں میں بلا کی ہے
کبھی جب حرفِ ''کُن'' کی گونج
ٹکراتی ہے ان موجوں سے
تو تخلیق کا در
دائرہ در دائرہ کُھلتا ہے
اس مواّج دریا میں
جسے ہم وقت کہتے ہیں
ازل کی صبح کا وہ اولیں نقطہ
سمٹ کر پھیلتا ہے جب ابد کی شام کی جانب
تو پُر کارِ صدائے کُن
ابد سے پھر ازل کی سمت بڑھتی ہے
محیطِ وقت کی تکمیل کرنے
یہ سفر جاری ہے اور جاری رہیگا
جانے کب تک؟

ایک منظر

آسماں پر بادلوں کا اک ہجوم
بادلوں میں چاند کی کشتی رواں
چاند کی کشتی پہ ٹوٹا بادباں
بادباں کے پاس آوارہ نجوم

کبھی تُم نے دیکھا؟

کبھی تُم نے دیکھا؟
درختوں پہ کھلتے ہوئے رنگ کتنے حسیں ہیں!
سرِ شاخ اڑتی ہوئی تتلیوں کی قطاریں
افق پر لچکتی ہوئی یہ دھنک کی کمانیں
مہکتے ہوئے پنچھیوں کی اڑانیں
مہکتے ہوئے سُرخ اور زرد پھولوں کی بیلیں
فلک سے برستے ہوئے شبنمی آئنوں کی پھواریں
چمکتے ہوئے نیلگوں آسماں کے افق پر
ابھرتے ہوئے شوخ سورج کی کرنیں
دمکتی ہوئی نیلی نیلی فضائیں
بدلتے ہوئے موسموں کی ہوائیں
اُچھلتے ہوئے سبز رُو پانیوں کی ردائیں
یہ سب کس قدر دلنشیں ہیں!
کبھی تم نے سوچا؟
کہ یہ سارے منظر ہیں کیا؟
ایک تصویر ہیں زندگی کی
چمکتی ہوئی دودھیا روشنی کی
مہکتی ہوئی سرمدی تازگی کی
یہ تصویر اب دیکھنا تو کُھلی آنکھ سے دیکھنا
اس کا نقاش، اس کا مصور
تمہارے ہی اندر چھپا ہے
تمہارے ہی رنگوں میں وہ اپنا خونِ جگر گھولتا ہے
تمہاری ہی آواز میں بولتا ہے

سبز پُھولوں کا پیغام

جب فضاؤں میں آلودگی دم بدم پھیلتی جا رہی ہو
کراں تا کراں نفرتوں کا دھواں اٹھ رہا ہو
ہواؤں میں خوشبو
گھٹاؤں میں جادو نہ ہو
جھوٹ کی گرد ہونٹوں پہ جمتی چلی جا رہی ہو
فریب وہوس کی چمکتی ہوئی دھوپ
آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی ہو
دماغوں کو برفاب سوچوں نے شل کر دیا ہو
دلوں پر کدورت کے زہراب کا وہ اثر ہو
کہ اُلفت کے سب پھول مرجھا چکے ہوں
تو ماحول کی روشنی کی
فضاؤں کو تابندگی کی ضرورت ہے
یہ روشنی اور تابندگی قلبِ حسّاس کی وسعتوں میں بسی ہے
اگر چاہتے ہو
فضاؤں میں پاکیزگی ہو
ہواؤں میں خوشبو
گھٹاؤں میں وہ نغمگی ہو
جو اطراف میں اپنا جادو جگائے
صداقت کی آواز گونجے
تو افلاک کی وسعتوں میں سمائے
دماغوں میں سوچوں کی گرمی
دلوں میں ہو نرمی
تو پھر چاہیئے
سب مہکتے ہوئے سبز پھولوں کا پیغامِ امن وسکوں
چار سو عام ہو

تازہ ہَوا کا جھونکا

رات کی بات ہے
ماحول تھا اس درجہ مرے قریۂ جاں کا شبگوں
تھی فضائے چمنستان زبوں

ظلمتِ شب تھی کہ اُمڈی ہوئی گھنگھور گھٹا
سائے ہی سائے نظر آتے تھے ہر سو گہرے
خوفناک اور عجیب
کسی عفریت کی مانند غضبناک و مہیب
ظلم اور جبر کا پہرہ تھا دل و جاں پہ محیط
زیست ویران تھی جس طرح کوئی دشتِ بسیط
ذہن پر طاری خزاں کا تھا طلسم
روح پابندِ سلاسل تھی جو آزاد تھا جسم
ابر تھا چھایا ہوا درد و الم کا ہر سُو
کوئی آہٹ نہ کوئی رنگ نہ کوئی خوشبو
زرد تھا چہرہ اشجار غبارِ غم سے
اور پژمردہ نظر آتی تھی ہر ایک کلی
برگ بے رنگ و نمو
شاخ بے برگ و ثمر
حبس تھا قریۂ جاں کا موسم
ہر طرف چھایا تھا شب کا عالم
شبِ بے ماہ و نجوم
در و دیوار پہ سایوں کا ہجوم

شب کی شدت میں اضافہ جو اچانک ہوا، دل زور سے دھڑکا میرا
نکل آیا افقِ جاں پہ نیا مہرِ درخشاں ایسے
جیسے یکدم تنِ بے جان میں جاں آ جائے
جیسے بے صوت و صدا کو بھی زباں آ جائے
جیسے بھولے ہوئے کو یاد نشاں آ جائے
اس نئے مہرِ درخشاں سے ہے وابستہ بہار
جس کے موسمِ بے رنگ و صدا کے رخ پر
زیست کی زندہ علامت کی پکار
گنگناتی ہے نئی شان سے خوشبو کی دلہن
صبح کی پہلی کرن
صبح کی پہلی کرن مرگ زدہ موسم میں
سانس لینے کے لیے
تازہ ہوا کا جھونکا

کلر بکس

سیا زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں ابرِ سیاہ بن کر

حسین عارض گلاب کی یاد تازہ کرتے تھے
سرخ ہونٹوں میں اک قیامت تھی
نیلی آنکھوں میں گہری جھیلوں کا بانکپن تھا
دھنک کے رنگوں کا یہ تماشا
عجب نظارہ دکھا رہا تھا
کوئی کلر بکس کُھل گیا تھا

مشاہدہ

کوئی تازہ نظارہ دیکھو
تو محسوس ہوتا ہے اکثر
کہ ایسا نظارہ تو پہلے بھی
دیکھا ہوا ہے

جبر

کیا یہی جبر ہے مشیت کا
ہنسنا چاہیں تو ہنس نہیں سکتے
رونا چاہیں تو رو نہیں سکتے

یاد

واقعے کا عکس
میرے ذہن کے آئینے میں
موجود ہے
یاد
کہتے ہیں جسے
وہ ایک لمحہ

آتشیں لمحہ
مرے ہی خانۂ زنجیر میں
پابند ہے

انکشاف

مرے گھر کے آنگن میں
سورج مکھی کا حسیں پھول
کس شان سے مسکرا کر مجھے دیکھتا ہے
مجھے اپنی ہستی کا رہ رہ کے احساس دیتا ہے
لیکن کبھی آج سے پیشتر
مَیں نے اس پر توجہ نہ دی تھی

کلر سکیم

سبز درخت
گلابی کلیاں
نیلی جھیل
اور پیلا چاند
فطرت کے شہکار کے آگے
ساری تصویریں ہیں ماند

بس ایک قطرۂ خوں

فضائے مرگِ مسلسل ہے چار سو طاری
بس ایک قطرۂ خوں زندگی کو کافی ہے
ہوائے ظلمتِ شب ہے رواں دواں ہر سُو
بس ایک قطرۂ خوں روشنی کو کافی ہے
صدائے جہل مرکب ہے ہر طرف جاری
بس ایک قطرۂ خوں آگہی کو کافی ہے
در زندگی ہے کہ پھیلی ہے بے حسی بن کر

بس ایک قطرۂ خوں آدمی کو کافی ہے

خواب بھی کتاب ہیں

خواب بھی کتاب ہیں کھُلی ہوئی
خواب سے بھی سیکھتی ہے زندگی
علم کے ظلمات، فن کے محبسوں کے سلسلے
آگہی کا جہل، عرفاں کا گماں
موت کے امکاں، حیاتِ دائمی کے وسوسے
خواب سے بھی جانتی ہے زندگی
شور کا سکتہ، خموشی کی زباں
دن کی دیوارِ سیہ، شب کے چمکتے آئینے
خواب سے بھی دیکھتی ہے زندگی
فاصلوں کی قربتیں اور قربتوں کے فاصلے
پستیوں کی رفعتیں اور رفعتوں کی پستیاں
موسموں کے آتے جاتے فاصلے
خواب سے بھی سوچتی ہے زندگی
ان چھوئے احساس دل میں، ان کہی اک داستاں
ان سنے کچھ زمزمے اور ان چکھے کچھ ذائقے
جو شامل کتاب ہیں
یہ سب اُسی کے باب ہیں
عذاب در عذاب ہیں
سراب در سراب ہیں
کہ خواب بھی کتاب ہیں

آلودگی

دم بہ دم پھیلتا جا رہا ہے دھواں نفرتوں کا
خموشی کی اک دھند سی ہے کراں تا کراں
شور ہے حسرتوں، آرزوؤں کا ہر سُو
تمناؤں کی دھول اڑتی ہے سینے میں
حرص و ہوس زہر بن کر رگوں میں اترنے لگی ہے

مجھے ریزہ ریزہ جو اندر سے کرنے لگی ہے
گھنی ظلمتوں کے حوالے مجھے لحظہ لحظہ کیے جا رہی ہے
مری روح کے چاند کو
رفتہ رفتہ یہ گہنا رہی ہے

موسم بدلتا ہے

ہوا کا سرد جھونکا کہہ رہا ہے
آخرِ شب کے دریچے سے
اٹھو! دیکھو کہ اب موسم نیا پیکر بدلتا ہے
نئی رُت کے تصور میں
رگوں میں برف بن کر منجمد جو تھا
وہ تازہ خوں پگھلتا ہے

اندھیرے چھٹنے والے ہیں
کسی رخشندہ چہرے کی طرح سورج نکلتا ہے

نئی خوشبو بتاتی ہے
کسی کے بازوؤں جیسی لچکتی سبز شاخوں پر
نئی کلیاں ہمکتی ہیں
نئے رنگوں کے استقبال میں
سینے کے اندر دل مچلتا ہے
نیا منظر بدلتا ہے

یہ منظر ہے گلابوں کے مہکنے کا
گیا موسم سرابوں کے چمکنے کا
نظارہ ہے یہ خوابوں کے دھڑکنے کا
یہ سارے خواب ہیں دل کی جوانی کے
جوانی سے معطر زندگانی کے
نظر کو خیرہ کرتی روشنی کے
خوشبوؤں کو دان کرتی زندگی کے

وقت کی آنکھیں جو پتھرائی ہوئی تھیں
انتظارِ موسمِ نَو میں
کسی کی سُرمئی آنکھوں کی صورت جگمگاتی ہیں

لبوں پر پھول برساتی وہ آنکھیں مسکراتی ہیں
وہ آنکھیں گنگناتی ہیں
بہاروں کا حسیں پیغام لے کر آنے والا ہے کوئی
روشن فضاؤں پر کوئی پھر چھانے والا ہے
کہ وقت احساس کے سانچے میں ڈھلتا ہے
نیا موسم بدلتا ہے

ریالوں کے درخت

سلگتے ریگزاروں
تپتے صحراؤں
جھلتے دشتِ بے پایاں کے ماتھے پر
چمکتے ہیں ہیں سرابِ بے اماں کی وسعتوں میں
کچھ لپکتے نخلِ بے سایہ کی صورت
یہ ریالوں کے درخت

ان درختوں کی ہیں شاخیں خاردار
جن کے اک اک خار کی نوکِ زباں پر
خوشبوؤں سے پُر اجالوں کے سراب
خوابِ فردا کے چمکتے ماہتاب
ہیں ریالوں کے گلاب

ان ریالوں کی مگر نشو و نما ممکن نہیں ہے
خون پسینے کے بغیر
ان کو پانی کی بجائے ابنِ آدم کی اُبلتی محنتوں کا خون
اور اس کی مشقت کا پسینہ راس ہے
مہر کی حدت انہیں بادِ بہاراں کی طرح
دھوپ کی شدت انہیں ابرِ باراں کی طرح

انجانا

عجیب ہلکی سی ٹیس سینے میں جاگتی ہے

عجب کسک سی یہ دل کے اندر مچل اٹھی ہے
رگوں میں یہ اک گھٹن
لہو میں تھکن سی کیوں ہے؟
یہ گھپ اندھیرے میں
روشنی کا بہاؤ
احساس کا بھڑکتا الاؤ کیا ہے؟
چمک سی یہ فکر میں
مہک سی یہ ذکر میں آ گئی کہاں سے؟

پچپن میں بچپن

(اپنی پچپنویں سالگرہ کے موقع پر)

مَیں پچپن سال کا بوڑھا ہوں
لیکن آج یہ محسوس ہوتا ہے
کہ پچپن سال تو بچپن کے دن ہی ہیں
وہی معصوم حیرت میری آنکھوں میں چمکتی ہے ابھی تک
جو کبھی بچپن میں مَیں محسوس کرتا تھا
وہی شوخی، شرارت میری سانسوں میں مہکتی ہے ابھی تک
جو مرے بچپن کا حصہ تھی
وہی لالچ بھری ضد میرے سینے میں دھڑکتی ہے ابھی تک
جو کبھی بچپن کا قصہ تھی
جہاں رنگیں نظارہ ہو، یہ دل ویسے مچل اٹھتا ہے بچپن کی طرح
رنگوں کو پانے کی تمنا میں لپکتا ہوں
نکل جاتا ہوں مَیں خوشبو کی لہروں کے تعاقب میں
فقط اک حسرتِ ناکام ہے جو ہاتھ آتی ہے
مگر یہ حسرتِ ناکام بھی اک کامیابی سے مجھے سرشار رکھتی ہے
کہ خود سے برسرِ پیکار رکھتی ہے

ہے بچپن عمر کا آغاز
تو یہ دائرے کا ایسا نقطہ ہے
بڑھاپے کی جو سرحد پر بالآخر آ کے ملتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مَیں اس دائرے کی تیز رو پرکار کی زد میں ہوں
شاید اس لیے کہتا ہوں
مَیں پچپن نہیں بچپن میں ہوں اب تک

تلاشِ گمشدہ

مَیں اک عرصے سے گُم ہوں
لا پتہ ہوں، کھو گیا ہوں
زندگی کی رہگزاروں میں
کہاں کوئی مجھے ڈھونڈے؟
نہیں میرا نشاں کوئی
نہیں منزل کوئی میری
نہیں ہے کارواں کوئی
مگر پھر بھی یہ خواہش ہے مری
کوئی مجھے ڈھونڈے
بھری دنیا میں کوئی تو کرے ہمت
جو مجھ کو ڈھونڈ لے ان رہگزاروں میں
کسی کو مَیں کسی بھی موڑ پر مل جاؤں تو مجھ کو پتا دے
کون ہوں مَیں اور کہاں جانا ہے مجھ کو؟
ہاں اگر کوئی مجھے ڈھونڈے
تو اس احسان کے بدلے
نثار اس پر مَیں اپنی ہستی نا کام کر دوں گا
صلے میں اس کے
اپنی ذات اس کے نام کر دوں گا

❁

ضرورت ہے

ضرورت ہے محبت کی
دلِ انساں میں جو نفرت کے پیچ و تاب کے بدلے
تعصب سے بھرے زہراب کے بدلے
وفا کا انگبیں بھر دے

ضرورت ہے قناعت کی
جو سیم و زر کی تاریکی میں بھٹکی، مضطرب
حرص و ہوس کی زخم خوردہ
روحِ انسانی کے زخموں کو
سکوں سے مندمل کر دے

ضرورت ہے اخوت کی
جو بکھرے بھائیوں،
اک دوسرے کے خون کے پیاسوں کو
پھر سے ایک ہی مضبوط رشتے میں پروئے
اور سارے بکھرے بکھرے آنگنوں کو ایک کر دے
سب کو پھر سے ایک ہی گھر دے

ضرورت ہے جہاں میں
پھر سے ساری نوعِ انساں کو
محبت کی، قناعت کی، اخوت کی
کہ دنیا میں فضائے امن قائم ہو

قطرہ قطرہ زندگی

مریض انسانیت دم توڑتی ہے
خون کی اس کو ضرورت ہے
ہے اس کی زندگی کی آس خطرے میں
معالج اس کے کہتے ہیں
مرض اس کا ہے جاں لیوا
نہیں امید بچنے کی
مگر انساں کا خونِ گرم و تازہ ہی بچا سکتا ہے اس کو
موت کے بے رحم پنجے سے
کوئی تو ہو
جو اس بیمار کو اپنا جوان و گرم خوں دے کر
رگِ تیرہ کو اس کی جرعہ جرعہ روشنی بخشے
تنِ مردہ کو اس کے قطرہ قطرہ زندگی بخشے

خوشبو کا سفر

دن ڈھلا
شام پھیلی، تو سورج کی کرنوں نے
برقِ بلاخیز کا روپ دھارا

دھنک کے حسیں رنگ گہرے میں ڈوبے
ہواؤں کے لشکر نے شب خون مارا
فضاؤں میں
غنچوں کے رونے، گلوں کے سسکنے کی آواز گونجی
خزاں دیدہ پتوں کی آہیں
سبکبار شاخوں کے نوحے
دھواں بن کے اُٹھے
نئی منزلوں کی طرف
خوشبوئے گُل بھی اِک نغمۂ جاں بنی
اور سازِ چمن سے سفر کر گئی

اے مری بے خواب آنکھو!

اے مری بے خواب آنکھو!
روشنی کی مشعلو!
غور سے دیکھو شبِ غم کا سماں
شب کے بے آواز نغمے گونجتے ہیں چار سُو
چاندنی کی آسمانی جھیل میں
تیرتے پھرتے ہیں خوشبو کے سبُو
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا؟
چاند کا چہرہ غبارِ درد بن کر کھو گیا
شہر کا اک اک دریچہ سو گیا
رات کے بے نور زنداں میں کوئی روزن نہیں
کوئی بھی دیوار و در روشن نہیں
کوچہ و بازار کے سینے میں اک دھڑکن نہیں
ہر طرف ویرانیاں، تنہائیاں
آرزو کی بے ثمر پہنائیاں
حسرتوں کی بے صدا پرچھائیاں
پھر وہی ہم ہیں وہی ہیں رت جگے
ہونٹ ہیں خاموش
لیکن چشمِ نم سے آج بھی جاری ہیں دل کے زمزمے
آہ وہ شب کی صدائے دل نواز
گہرے سناٹوں میں روحِ مضطرب کا سوز و ساز
تیرگی کے سرد لمحوں میں صدائے جاں گداز

آسماں کی شاخ پر تازہ گلاب
وہ جمالِ ماہتاب
جاگتے لمحوں کا خواب
آج کی شب اپنی قسمت میں نہیں

ندی

اندھیری شب میں
بلند اور مرمریں پہاڑوں کی سرد تاریک چوٹیاں
برف سے ڈھکی تھیں
کہیں کوئی روشنی نہ آواز کا نشاں تھا
ہر ایک ذرہ مہیب خوابوں کے تیرہ غاروں میں کھو چکا تھا
مگر فلک نے جو آنکھ کھولی
دمکتے سورج کی پہلی کرنوں کا گرم و بیدار لمس پا کر
جو برف پگھلی
تو وادیوں کے گلاب ہونٹوں پہ نرم خوشبو کے گیت اُبھرے
زمین انگڑائی لے کے جاگی
تو سبز پتوں کی چوڑیوں سے کھنکتی شاخوں کی صندلیں باہیں کسمسائیں
سیاہ زلفوں کے ابر لہرائے آسماں پر
تو نیم وا آنکھیں جگمگائیں
لبوں کی کلیاں چٹک اٹھیں
گلشنوں کے سانسوں میں زیر و بم تھا
جو برف پگھلی
تو نیم مردہ زمین میں زندگی در آئی
بہار کی روشنی در آئی
کہ اس کے خوابیدہ اَن چھوئے ریشمی بدن کی خنک رگوں میں
یہ برف بھی خونِ گرم بن کر رواں دواں تھی
یہ برف تھی خون تھی کہ پانی
مگر یہ تھی زیست کی نشانی
نئ جوانی،
کہ جب یہ شفاف برف یہ خوں یہ زندہ پانی رواں ہوا
ایک چڑھتی ندی کی شکل میں پستیوں کی جانب
تو کوہ و میداں کے سنسناتے ہوئے فراز و نشیب تھے اس کی رہگذر میں
ہری بھری کھیتیوں کی تازہ کھلی ہوا اس کی ہمسفر تھی

مگر جو یہ ندی، گنگناتی طویل ندی،
نشیب کے گہرے پانیوں میں
وسیع نیلے سمندروں میں خموش ہو کر گری
تو نیچے اتھاہ گہرائیوں میں
اک سیپ تشنہ لب تھا
وہ منتظر تھا کہ ابرِ نیساں کا زیست افروز ایک قطرہ
چمکتے موتی کی شکل میں اس کے خشک تشنہ لبوں پہ ٹپکا
یہ ایک موتی، چمکتا موتی
ہے اس جواں سال بہتی ندی کے سارے انتھک سفر کا حاصل
یہی ہے اس کے سفر کی منزل

اُسے دیکھنے کی خواہش

مَیں نے دیکھا ہے اُسے
پھر بھی کہاں دیکھا ہے؟
اس کا جلوہ تو ہے پارہ پارہ
اُس کا ہر نقش ہر اک عکس نظر آتا ہے ریزہ ریزہ
ذہن اُس شوخ کے ملبوس کی خوشبو سے مہک اٹھتا ہے
مرمریں جسم پسِ پردہ جھلک اٹھتا ہے
برقِ رخسار چمکتی ہے کبھی زیرِ نقاب
کبھی زلفوں کے اندھیروں سے دھواں اٹھتا ہے
افقِ دل پہ ابھرتی ہے کبھی اس کے لبوں کی سُرخی
کبھی اُن جھیل سی آنکھوں میں نظر آتے ہیں چاہت کے کنْول
اس کی آواز کا جادو کبھی مسحور کیے دیتا ہے
کبھی اک دستِ حنائی مجھے خوابوں کے جزیروں میں لیے پھرتا ہے
جاگتے لمحوں میں محسوس کیا ہے دل نے
میرے احساس کا آئینہ ہے ریزہ ریزہ
میرے ادراک کا شیشہ بھی ہے پارہ پارہ
یہی خواہش ہے بجھے پیاس کبھی آنکھوں کی
سامنے ہو وہ سراپا جلوہ
چلمنوں سے تو نظارے کی ہوس بڑھتی ہے

وہ دو آنکھیں وہ دو شمعیں

وہ دو آنکھیں
وہ دو شمعیں
جو میری راہ تکتی تھیں
مری خاطر چمکتی تھیں
ذرا مجھ سے جدا ہو کر
دنوں کو موجزن اُن میں سمندر تھا
شبوں کو جاگنا اُن کا مقدر تھا
وہ دو بے خواب آنکھیں
چاہتوں کے نور سے روشن وہ دو شمعیں
(وہ میری کائناتِ دل، مراسر مایۂ جاں)
اب بھی روشن ہیں
شبوں کو جاگتی ہیں آج بھی
لیکن کسی تاریک اور خوابیدہ پتھر کے لیے

پہچان

وہ جو تیرے قرب کی لذت سے ہم آغوش ہے
تیرے گیسو تیرے عارض تیرے لب
اس کی راتوں اس کی صبحوں اس کی شاموں کا مقدر ہیں
مگر
غور سے تو نے کبھی دیکھا اُسے؟
وہ مرے ہی پیکرِ بیتاب کا اک عکس ہے
مَیں جو تیرے قرب کی لذت سے ہم آغوش ہوں
تیرے گیسو تیرے عارض تیرے لب
میری راتوں میری صبحوں میری شاموں کا مقدر ہیں
مگر
سچ بتا تو نے کبھی دیکھا مجھے؟

لمس

مدتوں بعد تجھے آج جو چھو کر دیکھا
یہی محسوس ہوا ہے کہ مری پوروں میں
ریشم و اطلس و کمخواب کی اک نرمی ہے
شعلۂ لالہ و نسرین کی اک گرمی ہے
مری رگ رگ میں کوئی برق سی لہرائی ہے
سنسناہٹ سی مری روح میں دَر آئی ہے
ایسے محسوس ہوا ہے کہ مرا خانۂ دل
یک بیک درد کی خوشبو سے مہک اٹھا ہے
ایک مدت سے جو خاموش تھا ویرانۂ دل
طائرِ غم کی صداؤں سے چہک اٹھا ہے

آئینہ تمثال

نگارِ انجمنِ دل! عروسِ بزمِ خیال
تُو شاہکارِ تجلّی تُو آئینہ تمثال
یہ رنگِ سرو و سمن یہ تبسمِ سُنبل
ہواؤں کا یہ ترنم یہ نغمۂ بُلبل
ترے ہی دم سے ہے قائم فضائے لالہ و گُل
یہ تازگی جو مہکتی ہے سبزہ زاروں میں
یہ نغمگی جو مچلتی ہے آبشاروں میں
یہ چاندنی جو دمکتی ہے ماہ پاروں میں
یہ زندگی جو مہکتی ہے مرغزاروں میں
ترے جمال سے ہے دلکشی بہاروں میں

یہ تیری زلف کا جادو یہ تیرے لب کا فسوں
یہ تیرے چہرے کی چاندی یہ تیرے قد کا ستوں
یہ تیرے عارضِ تاباں کی روشنی کی دمک
یہ تیرے گیسوئے پیچاں کی عطر بیز لہک
یہ تیری صندلیں باہوں کا دلفریب گداز
یہ تیرے عنبریں سانسوں کا لمسِ روح نواز
یہ تیرے دل کا تقدس زباں کی نکہت
یہ تیرے مرمریں پیکر کے حسن کی عظمت

ہر ایک فکر کو ہر اک خیال کو ہے محیط
تمام عالمِ جاہ و جلال کو ہے محیط
تمام حلقۂ حسن و جمال کو ہے محیط
بساطِ ماضی و فردا و حال کو ہے محیط

ہم قدم

تم مری زندگی کے سفر میں
ہوئی ہو مری ہم سفر
دیکھنا! راستہ ہے کٹھن
اور منزل بہت دور ہے
اس قدر دور، جس کا نشاں تک نہیں ہے
ہاں، مگر تم مری زندگی کے سفر میں ہوئی ہو مری ہم سفر
تم اگر چاہو تو راستے کی تکالیف، منزل کا غم
راحتوں میں بدل جائے
لیکن یہ اس وقت تک کیسے ممکن ہے؟
جب تک تمہارے قدم
میرے قدموں کی آہٹ کی لے میں نہ گم ہوں
اگر تم مری زندگی کے سفر میں ہوئی ہو مری ہم سفر

اے نو وارِدِ عالمِ آب و گِل!

اجنبی دیس سے آنے والے
اے نو وارِدِ عالمِ آب و گل!
کچھ بتا!
کون سے دیس سے اس جہاں کے خرابے میں آیا ہے تُو؟
پیکرِ رنگ و بو!
تو ہے شہزادۂ ملکِ فطرت
بہاروں کی رنگینیاں تیرے لب کے تبسم پہ قرباں
تری ہر ادا حُسنِ فطرت کی غماز ہے
تو ہے معصومیت کا اُجالا
ستارے تری آنکھ کی روشنی سے منوّر

فرشتے ترے ہر قدم پر نگہباں
ترا ننھا سا دل فقط اپنی ماں کی محبت ہی میں ہے دھڑکتا
تجھے کوئی دنیا کا کیا خود کا بھی غم نہیں ہے
کہ شاید تو مخلوق ہے جنتِ سرمدی کی
مگر یہ بتا، کون سی وہ کشش ہے؟
جو تجھ کو یہاں اس خراب و زبوں عالمِ تیرہ و تار میں کھینچ لائی

شریکِ سفر

مری شریکِ سفر! اے مری رفیقِ سفر!
تُو ہمقدم ہے مری اور میری ہمدم بھی
مجھے عزیز ہے تُو زندگی سے بھی بڑھ کر

تری رفاقتِ پیہم کا یہ کرشمہ ہے
کہ مَیں رواں ہوں ابھی تک طویل راہوں میں
فراز تھے وہ مسرت کے یا غموں کے نشیب
ہر ایک موڑ پہ تُو نے نبھایا ساتھ مرا
کبھی تھکن کا جو ہونے لگا مجھے احساس
تو تیرے قرب کی گرمی ہوئی حیات افروز
جو ڈگمگائے قدم راستے میں میرے کبھی
وہیں سہارا دیا تو نے اپنی باہوں کا
کبھی چلی جو مخالف ہوا زمانے کی
تو بڑھ کے تُو نے مرے بازوؤں کو تھام لیا
ہوئیں جو دہر سے پیدا شکائتیں مجھ کو
نگاہِ ناز نے کی ہیں عنائتیں کیا کیا
ترے لبوں کے تبسم میں تلخیاں غم کی
بدل گئی ہیں سکوں آفریں حلاوت میں
وہ حوصلہ مجھے بخشا ہر ایک منزل پر
کہ مجھ میں آیا نیا اعتماد جینے کا

مرا سفر ہے کہ جاری طویل راہوں میں
سفر کے بعد مگر پھر نیا سفر ہوگا
بدن کے بعد سفر روح کی بلندی کا
مَیں چاہتا ہوں کہ اس دائمی سفر میں بھی

ہمیشہ ایسے ترا ساتھ ہو مجھے حاصل

حُدی خواں

(بیادِ اقبالؒ)

وہ حال کے سرد طاقچوں میں
عظیم ماضی کی جلتی شمعوں کو یوں سجاتا ہے
جیسے تاروں کا قافلہ، کہکشاں کی راہوں پہ گامزن ہو
یہ قافلہ، وقت کے اندھیروں میں نور بن کر
رواں دواں ہے
شعور کی منزلِ فروزاں ہے اس کی منزل
ہے اس کا سالار وہ حُدی خواں
کہ جس کے ہونٹوں پہ زمزمے ہیں صداقتوں کے
حسین اقدار کے حریری جواں بدن پر
صداقتوں کی یہ جگمگاتی قبا
اُسی کے لطیف نغموں کے تار بُنتے ہیں
روز و شب کی مسافتوں میں
شعور کی منزلِ فروزاں
کچھ اور نزدیک آ گئی ہے
کہ قافلے کی جرس کی آواز پر
حُدی خواں کی گرم آواز چھا گئی ہے

فیض

ایک آواز
نئے رنگ میں ڈوبی آواز
اک ستارہ
جو علامت تھا سحر تابِ شعاعِ فن کی
ایک شعلہ
جو تنِ تنہا شبِ تیرہ و تاریک میں تھا تابندہ
ایک نغمہ
جسے خود ساز کا دل ڈھونڈتا ہو

ایک خوشبو
جو بکھر کر رہے ہر سمت فضا میں آباد
ایک شاعر
جو مفکر بھی تھا دانشور بھی

صبحِ فردا کا استعارہ

(بیادِ مجید امجد مرحوم)

وہ جس کی باتوں کی گرم خوشبو
لطیف لہجے کا نرم رس
ذہن ڈھونڈتا ہے
یہ انجمن ہے اسی کی شمعِ خیال کی روشنی سے تاباں
اُسی کی آواز نغمگی بن کے گونجتی ہے فضائے دل میں
ادب کے صد رنگ گل کدے میں
ہے اس کے پھولوں کا رنگ تازہ
گو اس کی قسمت میں تھا ''شبِ رفتہ'' کا نظارہ
مگر رہا دوسروں کی خاطر وہ صبحِ فردا کا استعارہ
اگرچہ ہم سے بچھڑ چکا ہے
مگر دلوں کی کتاب میں اس کا نام محفوظ ہے ہمیشہ
کہ عکس اُس کا ہے اپنے شعروں کے آئنوں میں
وہ اب بھی زندہ ہے اپنی نظموں میں

تمازتوں کا مسافر

(انوار انجم کی وفات پر)

وہ زیرِ سایۂ شاخِ نہالِ غم تنہا
تمازتوں کا مسافر، سکون کا خواہاں
لبوں کی پیاس بجھانے چلا تھا صحرا میں
چمکتی ریت کے دریا اُسے نصیب ہوئے
سنا رہا تھا جو آشوبِ ذات کے قصے
دکھوں کی آگ میں چپ چاپ جل گیا ہے وہ
طلسمِ شام و سحر سے نکل گیا ہے وہ

مجھے یقین ہے وہ اب بھی سوچتا ہوگا
کہ زہرِ مرگ سمِ زندگی سے تلخ نہیں
بدن کی قید سے چھوٹ کر حقیقتاً اُس نے
غموں کی تیرہ شبی سے فراغ پایا ہے
عظیم روشنیوں کا سراغ پایا ہے

شمعِ صدا

(ملکہ ترنم نورجہاں کی وفات پر)

شبِ سکوت میں
وہ اک تجلئ آواز
ساعتوں کے لیے جنتِ حسیں ٹھہری
ہر اہلِ درد کے احساس کی امیں ٹھہری
مگر وہ نکہتِ نغمہ
بہشت زارِ غزل
سُروں کے گہرے سمندر کی تازہ دم غوّاص
غنائیت کے پر اسرارفن کی محرمِ راز
وہ ایک شمعِ صدا
ہوائے سرد سے گر بجھ گئی تو کیا غم ہے؟
کہ اس کے فیضِ ہنر کی تجلیوں کے طفیل
کئی چراغ فضاؤں میں جگمگا تے ہیں

آئی رات سُہانی

آئی سج کے دلہن بن کے
کرنوں کا ملبوس پہن کے
مہکے مہکے پُھول بدن کے
چاندی سی پیشانی
آئی رات سُہانی
اُجلا اُجلا چاند سا مکھڑا
سندر سندر نکھرا نکھرا

سر پر کرنوں کا ہے سہرا
تاروں کی مہارانی
آئی رات سُہانی
جگمگ جگمگ جگنو چمکیں
ٹُم ٹُم ٹُم ٹُم تارے دمکیں
نور کی پھیل رہی ہیں کرنیں
ہر سو ہے تابانی
آئی رات سُہانی

جھومے ہے ہریالی

ہر ذرے نے لی انگڑائی
من میں بجتی ہے شہنائی
اودے سے آکاش پہ چھائی
بدلی کالی کالی
جھومے ہے ہریالی
باغ میں کوئل کُو کُو بولے
امرت رس کانوں میں گھولے
پیار میں میرا من ہے ڈولے
جھوموں مَیں متوالی
جھومے ہے ہریالی
برکھا برسے چَھم چَھم چَھم چَھم
تجھ کو یاد کرے دل ہر دم
کلیاں چٹکیں نکھرا موسم
مہکی ڈالی ڈالی
جھومے ہے ہریالی

دن خوشیوں کے بیت گئے
پیار کے سندر گیت گئے
درد نیلی ہے پھر انگڑائی

ڈستی ہے من کو تنہائی
چھوڑ دیا ہے بیچ بھنور میں
مَیں ہاری وہ جیت گئے
دن خوشیوں کے بیت گئے

پھر آئی ہے رُت برکھا کی
کیا قسمت ہے مجھ دکھیا کی
جب سے چھوڑ گئے ہیں پیتم
ساون گیت سنگیت گئے
دن خوشیوں کے بیت گئے

پھرتی ہوں اب ماری ماری
ڈھونڈوں کیسے مَیں دکھیاری
جانے کس نگری کو ساجن
لے کر اپنی پیت گئے
دن خوشیوں کے بیت گئے

شام اُترے ترے نینوں میں

شام اُترے ترے نینوں میں جب مَیں چندا بن جاؤں
جب ترا آنگن دھوپ سے چمکے بادل بن کر چھاؤں
مَیں چندا بن جاؤں

نینوں سے نین ملے ہیں
سپنوں کے پھول کھلے ہیں
تو چاہے تو مَیں جی لوں
ان پھولوں کا رس پی لوں
نینوں کی پیاس بجھاؤں
مَیں چندا بن جاؤں

مَیں تیرے من کا درپن
دونوں کی ایک ہے دھڑکن
مَیں تیرے رنگ پہن کر
تری ہی خوشبو بن کر
نس نس میں تجھے بساؤں
مَیں چندا بن جاؤں

ہم ساگر کی دو لہریں
پون چلے تو اک دوجے سے مل کر مل نہیں پائیں
پاس رہیں اور دوری کی ہم آگ میں جلتے جائیں
دونوں پیاسی روحیں
ساگر کی دو لہریں
اک درپن کے عکس ہیں دونوں دو قالب یک جان
اک دوجے کے دم سے ہے اک دوجے کی پہچان
اک منزل دو راہیں
ساگر کی دو لہریں
میری نس نس میں پھیلا ہے تیرے پیار کا جادو
ایک ہی ہم دونوں کی خوشبو وہی بکھیریں ہر سُو
تیری میری سانسیں
ساگر کی دو لہریں
جاگتی آنکھیں دیکھ رہی ہیں اب بھی تیرا سپنا
جانے کب سے ڈھونڈ رہی ہیں نظریں تیرا رستا
نیر بہاتی آنکھیں

چپکے چپکے مَن آنگن میں
یاد کسی کی آئی
یاد آئیں پھر بیتی باتیں
بھولی بسری گزری باتیں
کتنی باتیں یاد آئی ہیں جب بھی چلی پُروائی
یاد کسی کی آئی
اندھیاروں میں بجلی چمکی
مَن بگیا ہے اُجلی اُجلی
یادوں کے رنگیں پھولوں سے مہکی ہے تنہائی
یاد کسی کی آئی
نس نس میں ہے پیار کا جادو
پھیل رہی ہے پریت کی خوشبو
دل کی سُونی بستی میں پھر گونج اٹھی شہنائی

یاد کسی کی آئی

وہ نہیں آئے

دل پر کتنے درد سہے ہیں
ان کا رستا دیکھ رہے ہیں
جیون کی اُجلی راہوں پر
پھیل گئے ہیں غم کے سائے
وہ نہیں آئے
دیس کبھی تو آئیں گے وہ
پیار کی ریت نبھائیں گے وہ
بیٹھے ہیں ہم راہ میں ان کی
نین بچھائے آس لگائے
وہ نہیں آئے
نینوں کے ساگر چھلکے ہیں
آنسو پلکوں پر ڈھلکے ہیں
مَن کے اندھیارے آنگن میں
امیدوں کے دیپ جلائے
وہ نہیں آئے

ماہیا

پھر عہدِ بہار آیا
پھر زخمِ محبت پر اک تازہ نکھار آیا

شاخوں پہ کھلے غنچے
چاہیں بھی اگر تم کو ہم بھول نہیں سکتے

آ کاش پہ تارا ہے
سب دھڑکنوں نے دل کی تجھ ہی کو پکارا ہے

یادوں کا دریچہ ہے
ہر وقت خیالوں میں بس ایک ہی چہرہ ہے

پھیلی ہوئی خوشبو ہے
اب بھی میری آنکھوں میں ساجن ترا جادو ہے

آنچل مرا دھانی ہے
دن رات ان آنکھوں سے اشکوں کی روانی ہے

گجرے ہیں جو باہوں میں
یہ تیرے حِنا ساجن! چبھتے ہیں نگاہوں میں

کاجل مری آنکھوں میں
اک نام تمہارا ہے بستا ہے جو سانسوں میں

معریٰ غزل

مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی صاحبِ فن کیا ہو گا؟
اپنی تخلیق کی خود مَیں نے پرستش کی ہے

اے مری روح کی تابندہ و رخشندہ کرن
مَیں نے تاروں سے پتہ پوچھا ہے تیرے گھر کا

کیا ستم ہے کہ مَیں اپنا ہی شناسا چہرہ
ذات کے آئنے میں دیکھوں تو ڈر کر دیکھوں

چاند کے سیپ میں تارے تھے گہر کی صورت
آسماں بھی تو شعاعوں کا سمندر نکلا

توڑ بھی دیجے روایات کی پابندی کو
کہہ سکیں گر تو سحرؔ کہیے معریٰ غزلیں

آزاد غزل

یوں ان آنکھوں کے بلاخیز سمندر میں
رواں ہے پانی
جیسے ہر اشک ہو اک موج کی صورت فانی

ڈھونڈتا پھرتا ہوں
ہر سمت بھرے شہر میں اس کی صورت
جیسے آئینے میں مَیں نے کبھی دیکھا نہیں اپنا ثانی

تیری تصویر مرے ذہن کے پردے پہ نمایاں ہوکر
مجھ سے یوں گویا ہے جیسے مری تنہائی میں
رنگ آواز کے پیکر میں ہو نقشِ مانی

کس قدر تنگ تھی میدانِ غزل کی وسعت
مری آزاد طبیعت نے مگر اس کو گوارا نہ کیا اور سحر
کہہ کے آزاد غزل
اس میں مہیا کی نئی آسانی

ترتیب

نظمیں

۱۔ آسماں کتنا نیلا ہے
۲۔ کہرے میں دھنک
۳۔ ہوا کی شاعری
۴۔ آئنہ
۵۔ مقتل
۶۔ آخری رنگ
۷۔ دائرہ
۸۔ ایک منظر
۹۔ کبھی تم نے دیکھا؟
۱۰۔ سبز پھولوں کا پیغام
۱۱۔ تازہ ہوا کا جھونکا
۱۲۔ کلر بکس
۱۳۔ مشاہدہ
۱۴۔ جبر
۱۵۔ یاد
۱۶۔ انکشاف

۱۷۔ کلر سکیم

۱۸۔ بس ایک قطرۂ خوں

۱۹۔ خواب بھی کتاب ہیں

۲۰۔ آلودگی

۲۱۔ موسم بدلتا ہے

۲۲۔ ریالوں کے درخت

۲۳۔ انجانا

۲۴۔ بچپن میں بچپن

۲۵۔ تلاشِ گمشدہ

۲۶۔ ضرورت ہے

۲۷۔ قطرہ قطرہ زندگی

۲۸۔ خوشبو کا سفر

۲۹۔ اے مری بے خواب آنکھو!

۳۰۔ ندی

۳۱۔ اسے دیکھنے کی خواہش

۳۲۔ وہ دو آنکھیں وہ دو شمعیں

۳۳۔ پہچان

۳۴۔ لمس

۳۵۔ آئینہ تمثال

۳۶۔ ہم قدم

۳۷۔ اے نووارد عالم آب و گل

۳۸۔ شریکِ سفر

۳۹۔ معریٰ غزل

۴۰۔ آزاد غزل

رفتگان

۴۱۔ حدی خواں

۴۲۔ فیض

۴۳۔ صبحِ فردا کا استعارہ

۴۴۔ تمازتوں کا مسافر

۴۵۔ شمعِ صدا

گیت

۴۶۔ آئی رات سہانی

۴۷۔ جھومے ہے ہریالی

۴۸۔ دن خوشیوں کے بیت گئے

۴۹۔ شام اُترے ترے نینوں میں

۵۰۔ ہم ساگر کی دو لہریں

۵۱۔ یاد کسی کی آئی

۵۲۔ وہ نہیں آئے

۵۳۔ ماہیا

ضابطہ

(جملہ حقوق محفوظ)

اشاعتِ اول	2002ء
کمپوزنگ	کمپوگرافکس ملتان
طباعت	ملتان آرٹ پریس
اشاعت	مکتبہ اہلِ قلم ملتان
قیمت	-/100 روپے

ملنے کا پتا

کتاب نگر، حسن آرکیڈ، ملتان

رفتگاں

نظمیں

گیت

کُہرے میں دھنک

(نظمیں)

حُسین سحر

مکتبہ اہلِ قلم، ملتان

انتساب

اپنے پیارے بیٹوں

شہزاد

اور

مہزاد

کے نام

۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۶	۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹
۲۴	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷
۳۲	۳۱	۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵
۴۰	۳۹	۳۸	۳۷	۳۶	۳۵	۳۴	۳۳
۴۸	۴۷	۴۶	۴۵	۴۴	۴۳	۴۲	۴۱
۵۶	۵۵	۵۴	۵۳	۵۲	۵۱	۵۰	۴۹
۶۴	۶۳	۶۲	۶۱	۶۰	۵۹	۵۸	۵۷
۷۲	۷۱	۷۰	۶۹	۶۸	۶۷	۶۶	۶۵
۸۰	۷۹	۷۸	۷۷	۷۶	۷۵	۷۴	۷۳
۸۸	۸۷	۸۶	۸۵	۸۴	۸۳	۸۲	۸۱
۹۶	۹۵	۹۴	۹۳	۹۲	۹۱	۹۰	۸۹
۱۰۴	۱۰۳	۱۰۲	۱۰۱	۱۰۰	۹۹	۹۸	۹۷
۱۱۲	۱۱۱	۱۱۰	۱۰۹	۱۰۸	۱۰۷	۱۰۶	۱۰۵
۱۲۰	۱۱۹	۱۱۸	۱۱۷	۱۱۶	۱۱۵	۱۱۴	۱۱۳
۱۲۸	۱۲۷	۱۲۶	۱۲۵	۱۲۴	۱۲۳	۱۲۲	۱۲۱

۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۶	۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹
۲۴	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷
۳۲	۳۱	۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵
۴۰	۳۹	۳۸	۳۷	۳۶	۳۵	۳۴	۳۳
۴۸	۴۷	۴۶	۴۵	۴۴	۴۳	۴۲	۴۱
۵۶	۵۵	۵۴	۵۳	۵۲	۵۱	۵۰	۴۹
۶۴	۶۳	۶۲	۶۱	۶۰	۵۹	۵۸	۵۷
۷۲	۷۱	۷۰	۶۹	۶۸	۶۷	۶۶	۶۵
۸۰	۷۹	۷۸	۷۷	۷۶	۷۵	۷۴	۷۳
۸۸	۸۷	۸۶	۸۵	۸۴	۸۳	۸۲	۸۱
۹۶	۹۵	۹۴	۹۳	۹۲	۹۱	۹۰	۸۹
۱۰۴	۱۰۳	۱۰۲	۱۰۱	۱۰۰	۹۹	۹۸	۹۷
۱۱۲	۱۱۱	۱۱۰	۱۰۹	۱۰۸	۱۰۷	۱۰۶	۱۰۵
۱۲۰	۱۱۹	۱۱۸	۱۱۷	۱۱۶	۱۱۵	۱۱۴	۱۱۳
۱۲۸	۱۲۷	۱۲۶	۱۲۵	۱۲۴	۱۲۳	۱۲۲	۱۲۱